قسط اوّل :—

میر کا سیاسی اور سماجی ماحول

جناب ڈاکٹر محمد عمر صاحب، استاذ تاریخ جامعہ ملیہ اسلامیہ ، نئی دہلی

(اس مقالے میں ۱۱۳۵ھ (۲۳-۱۷۲۲ء) سے ۱۲۲۵ھ (۱۱-۱۸۱۰ء) تک تقریباً ۹۰ سال کے سیاسی، تاریخی، سماجی، معاشرتی، معاشی اور مذہبی عوامل سے بحث کی گئی ہے، کیونکہ یہی وہ زمانہ ہے جس میں میر نے اپنی زندگی کے (۹۰) سال بسر کئے۔ مقالے میں زیادہ تر اولین مآخذ (ORIGINAL SOURCES) سے فائدہ اُٹھایا گیا ہے، اور یہ کوشش کی گئی ہے کہ اس دَور کے سماجی حالات و حوادث اور تہذیبی رجحانات کا ایک ایسا مرقع پیش کردیا جائے جس کے سیاق و سباق میں میر کی شخصیت اور اُن کے ذہن کی نشو و نما نیز اُن کے فن کی داخلی فضا کو سمجھنے میں مدد ملے۔

مقالے کے دو حصّے ہیں۔ پہلا حصّہ اس دہلی کے دور سے متعلق ہے جو میر نے یہاں گذارا۔ یعنی حملۂ نادرشاہ (۱۷۳۹ء) سے میر کے سفر لکھنؤ (۸۲-۱۷۸۱ء) تک، دوسرے حصہ میں لکھنؤ کی تہذیب اور سیاسی حالات سے بحث کی گئی ہے اور یہ زمانہ ۱۷۸۱ء سے ۱۸۱۰ء تک پھیلا ہوا ہے، یہ دعویٰ تو نہیں کیا جا سکتا کہ اس مقالے میں اُس دور کے تمام حالات آگئے ہیں، البتہ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اہم رجحانات کی نشاندہی کردی گئی ہے۔ اور مقالے کی ترتیب میں یہ بات ہر وقت پیشِ نظر رہی ہے کہ اُسے میر محمد تقی میر کی شخصیت و شاعری کے پس منظر کے طور پر لکھا جارہا ہے چونکہ مجملاً ہی سہی، مگر تمام اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالنی ضروری تھی، اس لئے یہ مضمون قدرے طویل بھی ہوگیا ہے۔ لیکن امید یہی ہے کہ اس مقالے سے بڑی حد تک اُس سماج کی تصویر سامنے آجائے گی،

جس میں میر زندہ ہے اور جس میں اُن کا فن جاوداں بن گیا۔ دونوں ابواب کو پانچ حصوں میں تقسیم کردیا گیا ہے۔ (الف) سیاسی (ب) اقتصادی (ج) معاشرتی (د) ادبی (ر) مذہبی و اخلاقی۔ ادبی رجحانات سے اُن حالات کا رابطہ قائم کرنے کے لئے اُس دور کے شعراء کے کلام سے خاص طور پر مدد لی گئی ہے ——— ڈاکٹر محمد عمر)

(۱) سیاسی (الف) اندرونی خلفشار

(۱) دہلی میں | ہمارا موضوعِ سخن اٹھارھویں صدی عیسوی ہے، یہ زمانہ عہدِ حاضر کے انقلاب کا دیباچہ تھا۔ اور اس کا نظرِ غائر سے مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ تاریخی عوامل اس طرح اپنا کام کر رہے تھے جو آگے چل کر زندگی کا دھارا بدلنے میں مدد دیں، بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی یہ عبوری عہد" صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ تمام دنیا میں بڑی اہم سیاسی اور سماجی تبدیلیوں کا زمانہ تھا۔ کچھ ملک غلامی کی زنجیریں توڑنے میں مصروف تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جن کی گردنوں میں غلامی کے طوق ڈالنے کی تیاری کی جارہی تھی۔ امریکہ کی جنگِ آزادی کامیاب طور پر لڑی جاچکی تھی، انقلابِ فرانس نے سارے یورپ میں آزادی کی تحریکوں کو اُبھار دیا تھا[۱] لیکن دنیائے اسلام کی حالت اُس سے مختلف تھی، مجموعی طور پر وہاں کا عام رجحان تنزل اور پستی کی طرف تھا۔ چناں چہ ہندوستان میں مغلیہ حکومت بھی زوال کے کنارے پر آچکی تھی، اُس وقت ہندوستان میں صرف سیاسی طور پر ہی کمزوری نہیں تھی، اقتصادی حالات بھی اتنے پیچیدہ ہوچکے تھے کہ عوام اور طبقۂ خواص اس کی زد میں آگئے تھے، ۳ مارچ ۱۷۰۷ء کو اورنگ زیب کا انتقال ہوا۔ تو گویا حکومت کا شیرازہ بکھر گیا۔ ایک طرف تخت نشینی کی جنگوں نے سیاسی نظام کو متزلزل کر رکھا تھا، دوسری طرف اورنگ زیب کے جانشینوں کی کوتاہ اندیشی، عیش پسندی، اور پست ہمتی نے حالات کو نازک سے نازک تر اور بد سے بدتر بنا رکھا تھا۔ انھوں نے اپنی طاقت آپس ہی میں لڑکر ختم کردی تھی اور بیرونی طاقتوں کا مقابلہ کرنے کی تاب باقی نہیں رہی تھی۔ ایک شاعر نے ذیل کے شعر میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

کہیں ہے شیشہ سرنگوں اور کہیں شکستہ جام ہے + کیا مچائی میکشوں نے آج میخانہ میں دھوم[۲]

[۱] تاریخ مشائخ چشت۔ ص ۳۰۹ [۲] چمنستانِ الشعراء (مرتبہ مولوی عبدالحق) ص ۳۸

شاہی خزانہ عیش و عشرت کی محفلوں کے نذر ہو کر خالی ہوتا رہا اور اِن بادشاہوں نے جو اورنگ زیب کے بعد مسند نشین ہوئے، حالات کو اپنے قابو سے باہر دیکھا تو عیش و عشرت میں اُسی طرح غرق ہو گئے، جس طرح شتر مرغ ریگستانوں میں آندھیوں کے وقت ریت میں سر چھپا لیتا ہے، اور دنیا و مافیہا سے بے خبر رہ کر زندگی گزارنے لگے۔

اِن حالات کا ردِعمل اس دَور کی شاعری میں ملتا ہے، حاتم، حسرت، قائم اور سودا کے شہر آشوب اِن زوال پذیر معاشرے کی بڑی واضح تصویر پیش کرتے ہیں۔

حاتم

امیر زادے ہیں حیران اپنے حال کے بیچ ÷ تھے آفتاب پر اب آگئے زوال کے بیچ
پھریں ہیں چرخی سے ہر دن تلاشِ مال کے بیچ ÷ وہی گھمنڈ امارت ہے پھر خیال کے بیچ
خدا جو چاہے تو پھر ہو پرا ابتو ہے دشوار

عجب یہ اُلٹی بھی ہے گی باؤ دلّی میں ÷ کہ شاہ باز چڑی مار کے ہے انٹی میں
روغن فروش کی ہیں پانچوں اُنگلیاں گھی میں ÷ جنگل کو چھوڑ کے بوم آ بسے ہیں بستی میں
نجیب چھوڑ کے شہروں کو ہیں جنگل میں خوار

ہر ایک جنس کے خاوند ہیں گے دست فروش ÷ کیسبری صاحب ظرفوں کے نہیں (پا) پوش (کذا)
جوتی فروش دکھاتے ہیں سب کے تئیں پاپوش ÷ نجیب خاد بدوش ایک بینی دو گوش،
ہے باغباں کے گھر میں بہار جوں گلزار

تمام شہر میں کھتونکے مالک ہیں گے بزّاز ÷ اور آج سب میں بڑے خودنما ہیں آئینہ ساز
سنار اپنا دکھاتے ہیں سب کو آتش باز ÷ کمان گر بھی ہوئے گھر میں اپنے تیر انداز
نہانی آرے چلاتا ہے خلق پر نجار

جہاں میں صاحبِ شمشیر ہیں گے صیقل گر ÷ ہے گندھیوں کا معطّر سدا دوکان اور گھر
ہمیشہ نازاں ہیں پھر بھونجے اپنے بختوں پر ÷ اہیر دودھ ملائی دہی سے ہیں خوگر
بنا ہے خانۂ نقاش رشکِ نقش و نگار

دلوں کے بیچ صفائی نہیں ہے یاروں میں ٭ کہیں جو ہوئے بھی شاید تو اب ہزاروں میں
صندوق سازکی زر ہے بھرا اٹاروں میں ٭ جو تھے سائیس سو نوکر ہیں اب سواروں میں
عراقیوں کے ہوئے ہیں سر طویلہ حمار[1]

ہیبت قلی خاں حسرت

کسی کو حسن پرستی و عاشقی سے شوق ٭ کسی کو مطرب و مے سے کسی کو زہد سے ذوق
برای گل کوئی بلبل سے نالہ زن ما فوق ٭ ہوائے سر سے جوں قمری اک رکھے کوئی طوق
سو اب وہ سب ہوئے آدم بلائیں بے پروبال

مٹے وہ چہچہے سب کے گئی خوش الحانی ٭ اسیر غم ہوئی یہ بلبل گلستانی
اب آب ودانے کی خاطر اٹھے ہے حیرانی ٭ گہر فشانوں کی اب ہو چکی پرافشانی
کٹی وہ شاخ ہے کرتے تھے جس پہ سب کریال

جو بادشاہ وہاں کا رکھے تھا تخت اور تاج ٭ وہ اپنی قوت کو اطفال کی ہوا محتاج
خدائی ہے جسے دیتا تھا سارا ہند خراج ٭ غنیم اُن کے نے لی اُلٹی اس کے شہر سے خراج
وہ شکل ہے کہ کرے شیر کو شکار شغال

وہ شہ کہ انجم نمط تھی جس کی سپاہ ٭ سو اُس کی ڈیوڑھی پہ کئی پیادے ہیں بحال تباہ (کذا)
سو مارے فاقوں کے مرتے ہیں چھینے نی تنخواہ (کذا) ٭ کہیں ہیں ہم کو ملے کیا خوراک خاص گواہ
سحر کو تب ہو جو بھیجے کروڑ یا کوتوال

جواہر اور خزانہ تو سب لٹا یکسر ٭ رہیں سو کس پہ یہ فرقے کے نوکر اور چاکر
رہا نہ مال بجز سنگ کوٹھوں کے اندر ٭ جو چھت تھی چاندی کی دیوان خاص میں پرزر
سو وہ وزیر نے کی خرچ بھیج کر ٹکسال

جو اصطبل ہے سو دیوان خاص اُس کا مکان ٭ عراقی اور عربی سو ہے اس کی بیچ کہاں
جو فیل خانہ ہے سو اس میں فیل کا نہ نشان ٭ بر میگذ نبر اب اس تھی لنگڑی کئی رواں (کذا)

[1] دیوان زادہ (قلمی) ص ۳۴۶، ۳۴۷۔

کہ جس پہ جنگ کے دن لاتے تھے ایک تھنال[1]

ہے میری ڈیوڑھی کے ناظر کو تیسرا فاقہ ؛ جو محل دار ہے اُس نے دیا ہے استعفیٰ
مچا یا ترکنی، کشمیرنی نے اب غو غا ؛ رہے بچارے سلاطین اُن کا حال سو کیا
کسی کے مرنے کی نوبت کوئی پڑا ہے نڈھال[2]

قائمؔ چاند پوری :-

گردش کا آسماں کی جو ہوئے کوئی سبب ؛ اہلِ زمیں پر آئے ہے یک رنج یا تعب
ٹوٹے غضب یہ تجھ پہ نہ اتنا کہیں غضب ؛ مردوں کے جو کھڑ تک سے جو پڑ ہو نہ تا بلب
ایسی نہ باولی ہے نہ چشمہ نہ چاہ ہے

قصبات اک جگہ تھی، شریفوں کی بود و باش ؛ فاسق نظر پڑے جو کوئی واں، بصد تلاش
عصمت زنوں کی عفتِ مریم سے زیادہ فاش ؛ تقوے کی رُو سے مرد، فرشتوں کی سی معاش
سو بھوکھ سے حرام پر اُن کی نگاہ ہے

جو شہر لیں تھے مصر سے ہر چیز میں خراج ؛ ٹھیکے دوا کے گنج میں رہتے تھے جوں اناج
واں درد سے شکم کے کوئی مر نہ جاؤ آج ؛ کس چیز سے حکیم کرے بیٹھ کر علاج
نے زیرہ ہے، نہ سونف ہے، نے نان خواہ ہے

تن زیب میں پھرتے جنھیں آتی تھی جی میں عار ؛ خاصہ ہمیشہ چشم میں اُن کی تھا بے وقار
سو ظلم سے تیرے ہیں وے یاں تک ذلیل و خوار ؛ دستار موئے سر سے ہے اب اُن سروں پہ بار
جامہ اگر ہے تن پہ تو وہ گردِ راہ ہے

وہ دن گئے کہ ساگ کو گا ہے جو من چلا ؛ میتھی کو ایک دیر تلک گوشت میں تلا
کھاتے ہیں اب تو آئے جو کچھ خاک یا بلا ؛ نالی کے ساگ کا ہو الہٰی بہت بھلا
روٹی کا جس کے ساتھ تنک اب نباہ ہے

---

[1] دیوان حسرت (قلمی رامپوری) ص ۱۳۳ (الف) اور (ب) [2] حوالۂ بالا ص ۱۳۳ (ب)

نوشہ کہے ہے یاروں سے اپنے یہ بھر کے آہ ؁ کس خبط میں ہیں بندِ خدا جانے قبلہ گاہ
احوال پر مرے بھی یہ کرتے ہیں کچھ نگاہ ؁ مرتا ہوں میں توجی سے یہ کس کا کریں ہیں بیاہ
ناتوں سے یاں کمر میں نہ قوت نہ باہ ہے
اس سب پہ اب ہے عاشق و معشوق تک یہ ڈھنگ ؁ دیکھے جو نورِ شمع پہ تو جل مرے پتنگ
عالم سے اٹھ گیا غمِ ناموس و پاسِ ننگ ؁ جس سے سنو تو رشک سے بیٹی کے ماں ہے تنگ
دیکھو جدھر تو باپ کو بیٹی کا واہ ہے[1]

سودا:-

باغ دلی میں جو اک روز ہوا میرا گذر ؁ نہ وہ گل ہے نظر آیا نہ وہ گلشن نہ بہار
نخل بے بار پڑے سوکھی پڑی ہیں روشیں ؁ خاک اڑتی ہے ہر اک طرف پڑے ہیں خس و خار
مسکراتا تھا چمن غنچہ و گل ہنستا تھا ؁ اشکِ شبنم کے بھی قطرہ کا نہیں واں آثار
جس جگہ جلوہ نما رہتے تھے سرو و شمشاد ؁ مشت پر قمری کے اُس جا نظر آئے اک بار
دیکھتا کیا ہوں مگر سوکھی سی اک شاخ اوپر ؁ عندلیب ایک ہے بے بال و پر و دل افگار
بَدَمِ سَرد و بصد حسرت و صد سوزِ جگر ؁ دیکھ کر سوئے چمن کہتی ہے با نالۂ و زار
حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شُد
روئے گُل سیر ندیدم و بہار آخر شُد[2]

فرصت چمن کی سیر کی لیکن ہمیں کہاں ؁ فکرِ معاش و عشقِ بتاں یادِ رفتگاں
اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کرے[3]

---

[1] شہر آشوب "قائم چاند پوری (مرتبہ جناب نثار احمد صاحب فاروقی) نقوش اکتوبر ۱۹۶۱ء ص ۹۵-۱۰۰
[2] کلیاتِ سودا (نول کشور) ص ۳۱۴ [3] کلیات سودا (نول کشور) (ص ۴۵۶)

یہ جتنے نقدی و جاگیر کے تھے منصبدار ؛ تلاش کرکے ڈھلتے انھوں نے ہو ناچار
ندان قرض میں بنیوں کے دی سپر تلوار ؛ گھروں سے اب جو نکلتے ہیں لیکے وہ ہتھیار
بغل کے بیچ تو سونٹا ہے ہاتھ میں کچکول

کرے ہے بھوک سے شاگرد پیشہ اب یہ معاش ؛ کہیں پلاؤ تو باورچی واں پکاویں آش
کریں قناتوں میں دربان بیٹھے پردہ فاش ؛ تلے سے کھینچ لے مسند کو آن کر فراش
اگر کہیں کہ مٹا اُٹھ کے چاندنی کا جھول

یہ خادمانِ محل کی ہے ان دنوں صورت ؛ نہ خوان دھونے کا کشمیرنی میں باقی ست
نہ اُٹھ کے ملنے کی ہرگز اودتے میں طاقت ؛ بنی ہے بھوک سے درباریوں کے مُنھ کی گت
کہ بوڑھی بھینس کے جس طرح بیٹھ جائے کپول

مچا رکھی ہے سلاطینوں نے یہ تو یہ دھاڑ ؛ کوئی تو گھر سے نکل آئے ہیں گریباں پھاڑ
کوئی در اپنے پہ آوے وے مارتا ہے کواڑ ؛ کوئی کہے جو ہم ایسے ہیں چھاتی ہی کے پہاڑ
تو چاہئے کہ ہمیں سب کو زہر دیجئے گھول[1]

میر:

ہیں خرابے آج جتنے کل یہ تھے لوگوں کے گھر ؛ مت بنائے خانہ میں منعم رہا کر اس قدر
گھر کا صاحب تو اُڑایا کرکے یکساں خاک سے ؛ اینٹ ماریں اینٹ سر یہ کچھ ہوا اس گھر ادپر
کیسے کیسے خان وادی خاک میں یاں مل گئے ؛ جائے عبرت ہے یہ معمورہ جہاں کا بے خبر
سبزانِ تازہ رو کی جہاں جلوہ گاہ تھی ؛ اب دیکھئے تو واں نہیں سایہ درخت کا
دمِ صبح بزمِ خوش جہاں شبِ غم سے کم نہ تھی مہرباں
کہ چراغ تھا سو دود تھا جو پتنگ تھا سو غبار تھا
حال گلزار زمانے کا ہے جیسے کہ شفق ؛ رنگ کچھ اور ہی ہو جائے ہے اک آن کے بیچ

[1] کلیات سودا (نول کشور) ص ۴۷۵ - ۴۷۸

خاک بھی سر پہ ڈالنے کو نہیں ٭ کس خرابے میں ہم ہوئے آباد
کیسے کیسے مکان ہیں ستھرے ٭ ایک ازاں جملہ کربلا ہے یہاں
اک سسکتا ہے ایک مرتا ہے ٭ ہر طرف ظلم ہو رہا ہے یہاں

اس زمانے میں صوفیاء اور علماء نے اصلاحی کوششیں بھی کیں، چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس دور میں اپنی بصیرت سے یہ اندازہ لگایا تھا کہ ہندوستان کا اقتصادی نظام بگڑ چکا ہے اور مذہب کی بھی صحیح فکر بیدار کرنا ضروری ہے، انھوں نے حکمراں طبقہ کو اُس کے فرائض یاد دلاتے ہوئے مطالبہ کیا:

"یہ کہ بادشاہ اسلام اور امراء عظام ناجائز عیش و عشرت میں مشغول نہ ہوں، گذشتہ گناہوں سے سچے دل سے توبہ کریں اور آئندہ گناہوں سے بچتے رہیں"[1]

اسی طرح شاہ فخرالدین[2] دہلوی نے بادشاہِ وقت کو ہدایت کی:-

"پس پہلی مقدم بات یہ ہے کہ وہ لوگ بذاتِ خود محنت کشی اور ملک گیری کے لئے مستعد ہوں"[3]

لیکن صوفیاء اور علماء کی یہ کوشش بارآور نہ ہو سکی، زوال اور انحطاط کی رفتار تیز سے تیز تر ہو گئی، مرکزی حکومت میں رخنے پیدا ہو چکے تھے۔ ایرانی اور تورانی گروپ کی آویزش بڑھ کر بحران کی کیفیت اختیار کر چکی تھی اور اس کا اثر تھا کہ صوبائی حکومتیں مرکز سے زیادہ طاقتور اور تقریباً

---

[1] شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات ص ۹۶ [2] شاہ فخرالدین دہلوی (۱۱۲۶ھ - ۱۱۹۹ھ) شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کے بیٹے اور جانشین تھے، ۱۱۶۵ھ میں دہلی تشریف لائے اور اجمیری دروازہ کے مدرسہ میں، جو آج دہلی کالج کہلاتا ہے، درس و تدریس کا کام شروع کیا تھا۔ اور درسی کتابوں کے علاوہ حقائق و معارف کے دریا بہا دیئے۔ آخری وقت تک دہلی میں قیام رہا، اور یہیں انتقال فرمایا۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی کے مزار پاک کے قریب سپردِ خاک کیا گیا۔ مفصل حالات کے لئے ملاحظہ ہو، مناقبِ فخریہ۔ فخر الطالبین۔ تکملہ سیرالاولیا، تاریخ مشائخِ چشت۔ ص ۔ ۴۶۰ - ۵۲۹

[3] مناقبِ فخریہ (قلمی مملوکہ پروفیسر خلیق احمد نظامی) ص ۳۵ - ۳۶

خودمختار ہوگئی تھیں، جو سلطنت مغلیہ بائیس صوبوں پر مشتمل تھی، اور جس کا ڈنکا کشمیر سے دکن تک اور بنگال سے کابل و قندھار تک بجتا تھا، اب سمٹ کر قلعۂ معلیٰ کی چار دیواری میں آگئی تھی[1] یقین کا ذیل کا شعر اس تباہی و بربادی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اگر نہ ہوتا آشیاں بلبل غمگیں خراب
کر نہ سکتا باغ کو اے باغباں گلچیں خراب[2]

بادشاہوں کی غفلت شعاری اور عیش پرستی سے امراء کا طبقہ سب سے زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے، ہندوستان میں بھی ایسا ہی ہوا۔ جادوناتھ سرکار نے صحیح لکھا ہے کہ ان امراء کی آویزش اور گروہ بندی کے مسموم اثرات محلاتِ شاہی سے لے کر دور دراز کے جھونپڑوں تک پہونچتے تھے، اور سماجی زندگی میں کشمکش اور تلخیاں پیدا کرتے تھے۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد دربار میں دو جتھے بن گئے تھے۔ ایرانی (شیعہ) اور تورانی (سنی) انھوں نے سیاسی حالات کو اپنا تختۂ مشق بنا رکھا تھا اور اس دور کی تاریخ دراصل انھیں فرقوں کی کشمکش کی داستاں ہے۔ حتیٰ کہ بادشاہوں کی قسمت بھی انہیں امراء سے وابستہ ہو کر رہ گئی تھی۔ سرکار نے تاریخ احمد شاہ کے حوالے سے لکھا ہے۔

"یہ تمام فتنہ و فساد، ایرانی اور تورانی امراء کے آپس کے جھگڑوں کا نتیجہ ہے۔"[3]

اِن حالات میں ملک کی تمام دبی ہوئی سیاسی قوتوں نے قسمت آزمائی شروع کردی۔ مرہٹے سکھ، روہیلے اور جاٹ۔ سب اس پراگندہ سیاسی ماحول کا فائدہ اٹھا رہے تھے۔ اور ملک سے امن داماں رخصت ہو چکا تھا۔

اس اندرونی کمزوری اور کشمکش کا پورا فائدہ ایک بیرونی طاقت نے اٹھایا یعنی انگریزوں نے اس تفریق کو اور بھی ہوا دے کر اپنی حکومت کے لئے میدان ہموار کرلیا۔ اور جن صوبائی طاقتوں سے

---

[1] چہار گلزار شجاعی (قلمی) ص ۴۸۴ [2] دیوانِ یقین۔ ص ۱۲۔ [3] مغلیہ سلطنت کا زوال (انگریزی) ج ۱۔ ص ۸ ۔ ایرانی و تورانی جتھوں کے آپسی جھگڑوں کے مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو۔
PARTIES AND POLITICS AT THE MUGHAL COURT: DR. S. CHANDRA

کبھی سرکشی متوقع ہوسکتی تھی اُنھیں ختم کردیا یا مفلوج کرکے رکھ دیا۔

یہ تھا ایک مجمل خاکہ اُس ماحول کا جہاں میر محمد تقی میر ۱۱۳۵ھ (۱۷۲۲ء) میں پیدا ہوئے اور ان ہی حالات میں ان کی نشو و نما ہوئی، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن سیاسی حوادث کا جائزہ قدرے تفصیل سے لیا جائے جنھیں میر نے مشاہدہ کیا یا اُن سے متاثر ہوئے اور جن حالات کی طرف انھوں نے اپنی خود نوشت سوانح عمری - ذکرِ میر - میں اشارے کئے ہیں۔

(ب) بیرونی حملے | اٹھارھویں صدی میں ہندوستان پر متعدد بیرونی حملے ہوئے، کیونکہ مغربی سرحد کی حفاظت کی طرف اورنگ زیب کے بعد کوئی توجہ نہیں کی گئی تھی، اِن حملوں نے ملک کے سیاسی اور اقتصادی نظام کو درہم برہم کردیا اور باغیانہ قوتوں کو سلطنتِ مغلیہ میں ہر طرف سے ابتری اور انتشار پیدا کرنے کے مواقع فراہم کردے۔

(الف) حملۂ نادر شاہ ۱۷۳۹ء | نادر شاہ کے ابتدائی حالات مجملاً یوں ہیں - وہ امام قلی کا (جو ترکمان قبیلہ کا سردار اور صوبۂ خراسان کے کالوٹ نامی قلعہ کا گورنر تھا) بیٹا تھا - ایامِ طفولیت میں باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، اُس کی موروثی املاک پر اُس کے چچا نے قبضہ کرلیا - دل برداشتہ ہوکر نادر مشہد چلا گیا اور وہاں کے گورنر کے ہاں ملازمت کرلی - اُس نے اپنے آقا کی بہت خدمت کی جس کے صلے میں اُسے ایک فوجی دستہ کا ناظمِ اعلیٰ مقرر کردیا گیا - تاتاریوں سے مقابلے کے موقع پر نادر نے بڑی جرأت اور بہادری کا ثبوت دیا مگر وہ وہاں اُتنی ترقی نہ کرسکا جتنی کہ متوقع تھی، آخرکار ۳۲ سال کی عمر میں وہ وطن واپس چلا آیا اور موروثی املاک کے حاصل کرنے میں پھر اُسے مایوسی ہوئی - تنگ دستی اور عسرت کی حالت میں ایک گروہ بناکر اُس نے لوٹ مار کا کام شروع کردیا - رفتہ رفتہ اُس کے گروہ میں دو ہزار آدمی شامل ہوگئے - بعد ازیں اُس نے دھوکے سے اپنے چچا کو قتل کرڈالا اور کالوٹ کے قلعہ پر قابض ہوگیا -

۱۷۳۰ء میں نادر نے اصفہان پر زبردستی قبضہ کرلیا - اُس کی دن دونی رات چوگنی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر اور اپنی کمزوری کے احساس سے مجبور ہوکر شاہ فارس نے نادر قلی کو اپنی

فوج کا افسر اعلیٰ اور خراسان کے قلعہ کا گورنر بنا دیا اور اپنی بھتیجی کے ساتھ اُس کا عقد کرا دیا۔ بعد ازیں نادر نے شیراز اور ہرات کو فتح کیا، ملک میں امن وامان قائم کیا جس کی وجہ سے لوگوں کو خوش حالی اور فارغ البالی حاصل ہوئی، ان باتوں سے نادر نے رعایا کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنا لیا۔ یہ دیکھ کر نادر نے کمزور، بزدل اور عیش پرست شاہ طہماسپ کو معزول کر کے اُس کے نابالغ لڑکے کو شاہ طہماسپ ثانی کے لقب سے تخت پر بٹھا دیا اور اس کے نائب کی حیثیت سے حکومت کرنے لگا۔

۳۶-۱۷۳۵ء میں مملکت ایران کے تمام عہدہ داران نے متفقہ طور پر نادر کو تخت نشین کیا اور اسے شہنشاہ بنایا، اِس موقع پر اُس نے نادر شاہ کا لقب اختیار کیا۔

اوائل ۱۷۳۷ء میں نادر شاہ نے قندھار پر فوج کشی کی، جیسا کہ عام طور پر معلوم ہے، ہندوستان کو فتح کرنے کے لئے کابل اور قندھار پر پہلے قبضہ ہونا لازمی ہے۔ بابر اور ہمایوں نے ہندوستان کو فتح کرنے سے پہلے ان دونوں قلعوں پر قبضہ حاصل کیا تھا۔ چوں کہ نادر شاہ کا ارادہ ہندوستان کو بھی فتح کرنے کا تھا اس لئے اُس نے پہلے قندھار کو فتح کرنا چاہا۔ کئی مہینوں کے مسلسل محاصرہ کے بعد قلعہ پر قبضہ ہو گیا تھا۔[1]

دربارِ مغلیہ کی حالت | اُس زمانے میں تختِ مغلیہ پر محمد شاہ رنگیلا (۱۷۱۹ء - ۱۷۴۸ء) جلوہ افروز تھا۔ یہ بادشاہ فطرتاً کمزور، بزدل، عیش پرست اور کاہل واقع ہوا تھا۔ افیون کھا کھا کر اپنی تندرستی اتنی خراب کر لی تھی کہ چلنا پھرنا بھی اُس کے لئے مشکل ہو گیا تھا۔ ہاتھیوں کی جنگ دیکھ کر دل بہلاتا اور امورِ مملکت سے تغافل برتتا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے عام طور پر اپنے درباری امراء اور خاص طور پر کچھ منظورِ نظر امراء کو بے حد حقوق تفویض کر دیئے تھے۔

بقول غلام علی طباطبائی :-

"لیکن روشن الدولہ دخیل مزاج بادشاہ ہو کر برآمد کار مقدمہ خلائق کرتا تھا اور شاہجہاں محمد فقیر

[1] نادر شاہ کے ابتدائی حالات و اس کی فتوحات کے بارے میں ملاحظہ ہو، نادر شاہ (انگریزی - فریزر) نادر شاہ (انگریزی - لوکہارٹ) جہاں کشائے نادری۔ مرزا محمد مہدی، نادر نامہ - از مُلا عبدالکریم کشمیری۔

کی لڑکی کوکی نے محمد شاہ کے حضور میں نہایت ادب حاصل کیا اور بادشاہ کا قلم دان اُس کے سپرد تھا، بادشاہ کی طرف سے صاحبِ دستخط تھی۔ محل کے اندر حاجت مندوں کی عرضی توقیع کرتی تھی۔ بادشاہ چونکہ جوان اور کم جرأت تھا۔ عیش و عشرت میں پڑا رہتا۔ عمدۃ الملک امیر خان وغیرہ امراء اور امراءزادہ خوش طبع و رنگین مزاج کی طرف طبیعت کو اپنے رغبت دی۔ کارِ سلطنت سے بے غرض تھا۔ اس سبب سے کچھ کچھ خوف و ہراس امراء بلکہ عوام کے دلوں سے دُور ہونے لگا۔ ہر شخص اپنے اپنے خیالی پلاؤ پکانے میں مصروف نظر آنے لگا۔" بجائے خود دم استقلال بھرتے تھے[۱] اس طرح بادشاہ کے منظورِ نظر امراء امورِ ملکی میں سفید و سیاہ کے مالک بن بیٹھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ درباری امراء میں نفاق اور عناد کی گرم بازاری ہوگئی۔ ہر ایک امیر اپنے مدِمقابل کی بیخ کنی میں اپنی تمام قوت ضائع کرنے لگا۔ حاتم اپنے ذیل کے شعر میں امراء کے نفاق کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

سارے تونگروں میں جو دیکھا تو ہے نفاق
آپس میں ہے جو کچھ تو غریباں کی دوستی[۲]

اس زمانے میں درباری امراء دو گروہوں۔ ایرانی۔ اور تورانی۔ میں منقسم تھے۔ ایک گروہ دوسرے کے خون کا پیاسا تھا۔ اس عناد و نفاق کے مسموم اثرات سارے ملک کی سیاسی فضا کو متاثر کر رہے تھے[۳] نظام الملک[۴] آصف جاہ[۵] ایرانی گروہ کا لیڈر اور وزیر الممالک تھا، اس کے مدِمقابل عمدۃ الملک

---

[۱] سیرۃ المتاخرین (اُردو ترجمہ) ج ۲۔ ص ۸۲' نیز ملاحظہ ہو۔ مغلیہ سلطنت کا زوال (انگریزی۔ سرکار) ج ۱۔ ص ۹-۱۰

[۲] دیوان زادہ (قلمی) ص ۲۹۹۔ [۳] مغلیہ سلطنت کا زوال۔ ج ۱ ص ۸۔ [۴] نظام الملک کے نانا، سعد اللہ خاں' شاہ جہاں بادشاہ کے وزیر اعظم تھے، والدہ کی طرف سے ان کا سلسلۂ نسب شیخ شہاب الدین سہروردی تک پہونچتا ہے، اُن کے والد میر شہاب الدین غازی الدین خاں، اورنگ زیب کے عہد میں اعلیٰ مناسب پر فائض رہے۔ نظام الملک کا اصلی نام میر قمر الدین تھا۔ بہادر شاہ کے زمانے میں خانِ دوراں بہادر کا خطاب ملا اور صوبۂ اودھ کی صوبیداری اور لکھنؤ کی فوجداری تفویض ہوئی۔ ناسامد حالات سے مجبور ہو کر کچھ دنوں خانہ نشین رہے۔ جہاندار شاہ کے زمانہ میں پھر سابق عہدہ ملا۔ فرخ سیر کے زمانہ میں نظام الملک فتح جنگ کے خطاب کے ساتھ دکن کی نظامت کا منصب ملا۔ (باقی ص ۳۷۹ پر)

[۵] مغلیہ سلطنت کا زوال۔ ج ۱ ص ۸

امیر خان میر اسحاق انجام[1] اور اسحاق خان نجم الدولہ[2] تھے اور تورانی جماعت کی پیشوائی کر رہے تھے۔
بقول سر جادو ناتھ سرکار "۱۷۳۶ء کے بعد کی تاریخِ مغلیہ درحقیقت ان دونوں گروہوں کی تاریخ ہے"، [3] سنی امراء نظام الملک کو معزول کرانے کی کوشش میں ہر وقت لگے رہتے تھے، وزیر الممالک امور ملکی اور مالی میں چند ضروری اصلاحیں کرنا چاہتا تھا لیکن یہ لوگ اُس کے اِس کام میں رکاوٹیں پیدا کرتے تھے۔ طبا طبائی کا بیان ہے کہ

"نظام الملک چاہتا تھا کہ بادشاہ اُس کی رائے کے بموجب تعمیل کرے اور صحبت رنگین مزاجاں نازنین منش و اختیار مدار المہامی زنان ناز ک سرشت مثل کوکی وغیرہ دل بادشاہ اور کاروبار ملکی مالی سے نکل جاوے، اس سبب سے ہر ایک امیر و امراء اور بادشاہ اُس کی طرف سے بدظن اور مسخر گی کرتے اور غیبت میں اُس کے حق میں کلماتِ رکیک زبان پر لاتے تھے"[4]

(بقیہ صفحہ ۳۷۸) سیدبھائیوں کے زوال اور محمد امین خاں وزیر کے انتقال کے بعد محمد شاہ نے اُن کو اپنا وزیر مقرر کیا۔ آصف جاہ صاحبِ دیوان شاعر تھے، اُن کے دربار سے عرب، خراساں، عراق اور ماوراء النہر کے علماء، شعراء اور ادباء منسلک تھے۔ ان کی وفات ۱۱۳۴ھ میں ہوئی۔ برائے تفصیل دیکھئے۔ ماثر الامراء (فارسی) ج ۳ ۸۳۸ تا ۸۴۸، خزانۂ عامرہ۔ ص ۳۵۔ ۴۹۔ سفینۂ ہندی۔ بھگوان داس ہندی) ص ۷۔ ۸، عقد ثریا۔ ص ۶، گل عجائب۔ ص ۲۱۔ ۲۲۔

[1] یہ میر میران نعمت اللہ دلی کی نسل سے تھے۔ امیر خان نام اور عمدۃ الملک خطاب تھا۔ محمد شاہ کے جلیسِ خاص تھے۔ نہایت ظریف، حاضر جواب، لطیفہ گو اور شیریں کلام تھے۔ موسیقی اور گانے میں بڑا درک تھا۔ فارسی اور ریختہ دونوں میں شعر کہتے تھے۔ شاعروں کے قدرداں بھی تھے، میر شاکر ناجی ان کے داروغہ دیوان خانہ تھے ۱۱۵۹ھ میں قلعہ معلی کے دروازے پر کسی سپاہی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ برائے تفصیل۔ سفینۂ ہندی۔ ص ۶۔ ۷۔ ماثر الامراء (فارسی) ج ۲۔ ص ۸۳۹۔ ۸۴۱۔ عقد ثریا۔ ص ۹، تذکرہ ریختہ گویان ص ۲۰۔ مخزن نکات ص ۳۱۔ گل رعنا۔ ص ۱۰۷۔ گلشنِ ہند۔ ص ۱۴ زوالِ سلطنتِ مغلیہ۔ ج ۱۔ ص ۱۰۱۱

[2] محمد اسحاق خان معتمد الدولہ (برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ ماثر الامرا۔ (فارسی) ج ۳۔ ص ۷۷۴۔ ۷۷۵)
(باقی صفحہ ۳۸۰ پر)

اُس وقت نظام الملک کی عمر ۹۴ سال سے بھی زیادہ تھی، اب اُس کے قویٰ میں اتنی طاقت باقی نہ تھی کہ وہ اپنے مخالفین کو بزورِ شمشیر دبا سکتا - لہٰذا اس بے بسی، دل برداشتگی - یاوسی و پریشانی کے عالم میں اپنے دشمنوں سے پیچھا چھڑانے کی غرض سے اُس نے نادرشاہ کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی، نادرشاہ نے جو پہلے ہی ایسے موقع کی تلاش میں تھا، فوراً دعوت قبول کرلی اور ۱۱۵۱ھ / ۱۷۳۹ء میں اس نے ہندوستان کا رُخ کیا -

اٹک ندی پار کرنا درشاہ ہندوستان کی سرحد میں داخل ہوگیا - جب لاہور کے ناظم زکریا خان[1] کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ اپنی فوج لے کر آگے بڑھا اور نادرشاہ کو آگے بڑھنے سے روک دیا اور دہلی سے کمک بھیجنے کی درخواست کی - لیکن بادشاہ اور اُس کے امراء رقص و سرود کی محفلیں سجائے بیٹھے تھے - کسے فرصت تھی کہ اس درخواست پر غور کرتا - زکریا خان نے ایسے حالات میں ہتھیار ڈال دینا ہی مناسب سمجھا - نادرشاہ، فاتح کی حیثیت سے لاہور شہر میں داخل ہوا - ایرانی سپاہ نے شہر اور گرد و نواح کے قصبوں اور گاؤں کو تاخت و تاراج کرنا شروع کردیا - آنند رام مخلص نے اس تباہی و بربادی کا نقشہ اپنے مخصوص انداز میں یوں پیش کیا ہے -

(بقیہ صفحہ ۳۷۹) کے انتقال کے بعد اس کے لڑکے اسحاق خاں دوم (نجم الدولہ) کو محمد شاہ کی قربت حاصل ہوئی - دیوانِ خالصہ کا منصب ملا - احمد شاہ کے عہد میں سابق منصب قائم رہا - جب صفدر جنگ نے بنگش افغانوں کے خلاف فوج کشی کی تو محمد اسحاق خان اُس کے ساتھ گیا - افغانوں سے جنگ کے موقع پر اُس نے بڑی بہادری دکھائی لیکن میدانِ جنگ میں کام آیا - ماثر الامرا (فارسی) ج ۳ ص ۷۷۵ - ۷۷۶ - [3] مغلیہ سلطنت کا زوال - ج ۱ - ص ۸۰ - " اپنے ہاتھوں آپ ہی کرتے ہیں سرتن سے جُدا ؛ ورنہ کیا طاقت ہے آوے اس جگہ جلاد کو
تذکرہ ہندی ص ۱۵۱ -

کس جنگ جو کی صبح کو بانہیں نکالیاں ؛ باہم صبا چمن میں اُلجھتی ہیں ڈالیاں -
تذکرہ گلشنِ ہند ص ۳۶

[4] - سیر المتاخرین (اُردو ترجمہ) ج ۲ - ص ۸۲ -

[1] یہ سیف الدولہ عبدالصمد خاں (برائے تفصیل - ماثر الامراء - (فارسی) ج ۲ - ص ۵۱۴ - ۵۱۷) کا لڑکا تھا - والد کی زندگی میں لاہور کا صوبہ دار بنا یا گیا اور بعد میں ملتان بھی اُس کے سپرد ہوا - نادرشاہ جب ہندوستان سے واپس چلا گیا - اور اُس نے زکریا خان کو سندھ بھیجا تو میں ۱۱۵۸ھ میں اُس کا انتقال ہوا - ماثر الامرا - (فارسی) ج ۲ - ص - ۱۰۶ - ۱۰۷ -

"چہ نوشتہ شود، کہ برآں دیار ساکنہ آں گلزار چہ قیامت گذشت، مثل وزیرآباد، امن آباد، گجرات وقصبہ جات کہ ہر یکی بنا برکثرت آبادی نیمچہ شہرے بودہ است "بخاک سیاہ برابر گشت، بہ یکی آں گل زمین بہزار رنگ بیداد رفت، ما لہا بتاراج ونا موسہا برباد رفت"

نوک خاری نیست کز خونِ شکاری سرخ نیست

آفتی بود، ایں شکار افگن کزیں صحرا گذشت[1]

جب زکریا خاں کے مغلوب ہونے کی خبر دربار دہلی میں پہونچی تو بادشاہ اور امراء دونوں کا نشہ کافور ہوگیا۔ جوں توں محمد شاہ نے فوج آراستہ کی اور بذاتِ خود نادر شاہ کے مقابلے کو روانہ ہوا۔ کرنال پہونچ کر فرد کش ہوا۔ لیکن اس جنگ میں مغلوں نے منھ کی کھائی۔ اور مفتوح کا کانی جانی ومالی نقصان ہوا۔ مرزا محمد مہدی نے ذیل کے اشعار میں اُس تباہ کُن جنگ کا نقشہ پیش کیا ہے:-

شد افروختہ آتشِ رزم وکیں ٭ زخون گشت گلگوں سرای زمیں
گرفتہ ز گرد سپہ مہر و ماہ ٭ فضائے جہاں گشتہ چوں شب سیاہ
ز نوک سنانہائے خارا گذر ٭ شد چشمہ چشمہ زدہ سربسر
ز غلطیدن کشتگاں در مصاف ٭ شدہ پشتہ برپشتہ چوں کوہ قاف
زبسیاری کشتہ وخستہا ٭ درآں عرصہ خالی نبُد جای پا[2]

بیشمار مال غنیمہ، سامان حرب، ہاتھی گھوڑے فاتح کو دستیاب ہوئے۔ بقول مرزا محمد مہدی۔

"خزائن بے حد ومرّ وفیلان کوہ پیکر وتوپخانہا بادشاہی وامرا کہ بعرصۂ جنگ آمدہ بودند باغنایم بسیار واسباب واثاثہ فزوں از شمار بحیطۂ تصرف درآمد"[3]

---

[1] اقتباس بدائع وقائع (اورنٹیل کالج میگزین۔ ماہ اگست سنہ ۱۹۵۱ء) ص ۶۵۔ سیر المتاخرین (اُردو ترجمہ) ۲۵-ص ۱۰۵-۱۰۸۔ [2] برائے تفصیل۔ جہاں کشائے نادری۔ ص ۲۳۳ تا ۲۳۷، بزلیٹر مغلس (انگریزی) ج ۲۔ ص ۳۴۹۔ میر کی آپ بیتی۔ ص ۹۲ [3] جہاں کشائے نادری۔ ص ۲۳۷

بعد ازیں امراء کی وساطت سے صلح کی گفتگو شروع ہوئی۔ محمد شاہ، نظام الملک کے ساتھ نادر شاہ سے ملاقات کرنے اُس کے قیام گاہ پر گیا۔ یہ ملاقات خوش گوار رہی۔ اس کے بعد محمد شاہ اور نادر شاہ نے دہلی کے لئے کوچ کیا۔ دہلی میں نادر شاہ، شاہی مہمان کی حیثیت سے قلعۂ معلیٰ میں فروکش ہوا۔ محمد شاہ نے دل کھول کر مہمان نوازی کے فرائض انجام دیئے۔ یہ واقعہ ۱۱۵۱ھ کا ہے۔ جب دہلی کے قلعہ میں دو بادشاہ رونق افروز تھے۔ مخلص نے اس واقعہ کی تاریخ کہی ہے۔

در ہزار و صد و پنجاہ و یک ؛ شاہ ایران گذشت از آب اٹک
یک مملکت ہند دو خسرو دارد ؛ چیدہ است عجب بازی شطرنج فلک [1]

اُس سال عید الاضحیٰ کے موقع پر جامع مسجد میں اور دیگر مقامات میں نادر شاہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔[2]

(باقی)

---

[1] اقتباس بدائع وقائع (اورینٹل کالج میگزین۔ ماہ اگست ۱۹۵۰ء) ص ۶۱

[2] سیر المتاخرین (اُردو ترجمہ) ج ۲۔ ص۔ ۱۰۹۔

غلامانِ اسلام

اسّی کے قریب ان صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین، فقہاء اور محدثین اور ارباب کشف وکرامات اور اصحاب علم و ادب کے سوانح حیات اور کمالات و فضائل بڑی تحقیق و تلاش سے جمع کئے گئے ہیں جنھوں نے غلام یا آزاد غلام ہونے کے باوجود ملت کی عظیم الشان خدمتیں انجام دیں جنھیں اسلامی سوسائٹی میں عظمت کی کرسی پر بٹھایا گیا اور جن کے علمی مذہبی، تاریخی اور اصلاحی کارنامے اس قدر شاندار اور روشن ہیں کہ اُن کی غلامی پر آزادی کو بھی رشک آتا ہے۔ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ایسی محققانہ دلچسپ اور معلومات سے بھرپور کتاب اس موضوع پر اب تک کسی زبان میں شائع نہیں ہوئی۔ تالیف:۔ مولانا سعید احمد اکبرآبادی ایم، اے۔

دوسرا ایڈیشن صفحات ۴۸۸ بڑی تقطیع: قیمت سات روپے مجلد آٹھ روپے۔

ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ بُرہان اُردو بازار جامع مسجد دہلی ۶